اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں آزادی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ الشریف

(آخری قسط)

آزادی عقیدہ کا درست مفہوم:

پس اسلام میں آزادئ عقیدہ کا درست مطلب ومفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی شخص کو غلط اور باطل عقیدہ کا حامل ہونے کی وجہ سے دباؤ اور طاقت کا شکار نہیں بنایا جاتا ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں کافروں اور ان تمام لوگوں کے وجود کا تحمل کیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے معتقد نہیں ہوتے بلکہ اسلامی عقائد کے دائرہ سے باہر ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان غیر مسلموں کو، بشرطیکہ وہ اس معاشرہ کی سماجی زندگی کے قائل ہوں، امن وسلامتی اور دیگر سماجی حقوق بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔

اپنے ایک خطبہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام شہر ابناء پر اموی سپاہیوں کے حملے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بَلَغَنِیْ اَنَّ الرَّجُلَ مِنْھُمْ لَیَدْخُلَ عَلٰی الْمَرْأَۃِ الْمُسْلِمَۃِ وَالْاُخْرٰی الْمُعَاھِدَۃِ۔'' یعنی میں نے سنا ہے کہ یہ حملہ آور لٹیرے مسلمان یا اہل کتاب غیر مسلم خاتون کے گھر میں گھس کر ان کے سونے کے قیمتی دست بند، پازیب اور دوسرے زیورات ان کے ہاتھوں اور پیروں سے اتار لیتے ہیں۔ اپنے اس بیان کے آخری حصہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پرچم اسلام کے سایہ میں زندگی بسر کرنے والی مسلم یا یہودی یا عیسائی خاتون کے گھر پر حملہ آوروں اور دشمنوں کے حملات کے صدمہ وغم میں اگر کسی مسلمان کا دم نکل جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

کچھ قابل توجہ باتیں:

اس کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری باتوں کو بھی جان لینا چاہئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام عقیدہ کے سلسلے میں زیادہ حساسیت سے کام نہیں لیتا ہے لیکن عقیدہ کے مطابق انسان کا جو عمل ظاہر ہوتا ہے اگر وہ اسلامی نظام کے مصالح کے خلاف ہوتا ہے تو اسلامی حکومت اس پر اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہے اور ان لوگوں کو ایسے اعمال وافعال انجام دینے سے روکتی ہے اور اگر وہ اصرار کرتے ہیں تو انھیں سزا دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے اس اقدام سے آزادی عقیدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا مقصد معاشرہ کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت ونگہداری ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو اسے بہرحال پورا کرنا ہے۔ پس یہ آزادی ایسے عقیدہ واعمال کی حد تک محدود ہے جن سے اسلامی معاشرہ کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔

آزادی عقائد کے سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ باطل ومخالف عقیدہ کے سلسلے میں اسلام کی بلند نگاہی اور

وسیع القلبی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ لوگ باطل غلط، انحرافی اور گمراہ عقائد کے بھنور میں پھنسے رہیں۔ ایک انسان کا عقیدہ ہی اس کی زندگی کی بنیاد ہے اور یہ بات بھی ناقابل تردید حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ اسلام ایک بشر دوست مذہب ہے لیکن وہ اس بات کے لئے ہرگز راضی نہیں ہے کہ انسان باطل عقائد کے سمندر میں غوطہ لگاتے رہیں اور وہ ان کی نجات کی فکر نہ کرے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسلام ان لوگوں کی نجات و مدد کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے بلکہ اس کوشش میں طاقت کا استعمال شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ فاسد عقائد جن بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں اسلام ان بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ کبھی ایک غلط اعتقاد کی بنیاد ایک انسان کی ذاتی خصوصیت کا رنگ و روپ اختیار کر لیتی ہے۔ بعض افراد ایک بنیادی فکر یا اعتقاد کے انتخاب میں خود پسند ضدی اور متعصب ہونے کی وجہ سے جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور یہ نفسانی خواہشات وخصوصیات ہی انھیں انحراف عقیدہ کا شکار بنا دیتا ہے۔ اسلام ایسے لوگوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ اسلام اپنے تربیتی نظام کے سایے میں لوگوں کو ایسی فکر کا حامل بنا دیتا ہے کہ اعمال وعقائد کے سلسلے میں ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہیں اور اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں قطعی تعصب سے کام نہ لیں۔

اسلام اجتماعی نظام میں، مختلف قسم کے ناجائز اور غلط استعمالات وفائدوں کی روک تھام کرتا ہے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اقتصادی یا ثقافتی شعبہ میں کسی قسم کا کوئی ناجائز یا غلط فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کڑی روک تھام اور پابندی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انحرافی رجحانات کی جڑ ی سوکھ جائیں۔

کبھی کبھی حق بات نہ سننے اور حق بات کی تبلیغ کے فقدان کی وجہ سے لوگ فکری اور عقیدتی انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلام اپنے سماجی ڈھانچے کی تشکیل کے دوران اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ لوگ حق کی شناخت وتبلیغ سے محروم رہ جائیں بلکہ وہ لوگوں کو حقائق سے بخوبی آشنا کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی وجہ سے اس نے تبلیغ دین یعنی حق بات کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری تمام مسلمانوں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اس فریضہ وذمہ داری کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی انسان ابہام وکج فکری کا شکار نہ ہونے پائے اور عقائد حق کی شناخت کا راستہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسلام فتنہ گری اور عقائد حقہ پر کسی قسم کے دباؤ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور مسئلہ ارتداد سے متعلق اسلامی اصول وقوانین کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

ایک سوال کا جواب:

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ممکن ہے کہ اسلام میں موجود بعض مسائل کے سلسلے میں کچھ تردیدات وجود میں آئیں۔ ان میں سے ایک تردید قرآن مجید میں کفار ومشرکین

اور باطل عقائد والوں کے سلسلے میں موجود آیات سے مربوط ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اگر اسلام آزادی عقیدہ کو اپنے معاشرہ میں پوری طرح رائج رکھنا چاہتا ہے تو پھر باطل عقائد کے بارے میں قرآن مجید میں اتنی زیادہ آیات کیوں پائی جاتی ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آیۂ کریمہ، جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے، مسلمانوں کے نام یہ حکم جاری نہیں کرتی ہے کہ کسی کافر کو اس کے اعمال نہیں بلکہ عقیدہ کی وجہ سے رنج ومصائب کا نشانہ بنایا جائے۔ کفار کے خلاف جنگ کرنے کی بات اس وقت کہی گئی ہے جب کافر اسلامی نظام واسلامی عقائد کے خلاف حملہ آور جنگ ونبرد آزمائی پر آمادہ ہو۔ حملہ وتجاوز کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوجاتا ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی معاشرہ کا دفاع کریں یا بعض قرآنی آیات کا تعلق ان سرداران کفر اور ملحد وطاغوتی نظام کے رہنماؤں سے ہے جو قوموں کو اپنا قیدی بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اعتقاد کفر کے سلسلے میں ہمیں قرآن مجید میں ایک آیت ملتی ہے جو خصوصی طور پر مسلمانوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ اس اعتقاد کے رکھنے والوں کے ساتھ، اگر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تجاوز یا تعرض نہیں کیا تو خوش اخلاقی سے کام لیا جائے۔

سورۂ مبارکہ ممتحنہ کی آٹھویں آیت میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے: ''لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔''

یعنی خداوندعالم ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے نہیں روکتا ہے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کرنے سے بھی منع نہیں کرتا ہے جن لوگوں نے تمہارے دین کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کی ہے۔ حقیقت تو یہ کہ خداوندعالم ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ خداوندعالم تو نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں عدل وانصاف کا مطلب اس معاشرہ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ونگہداری کرنا ہے کیونکہ وہ مرد کافر بھی اس معاشرہ کا ایک فرد ہے۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ جو لوگ اسلامی معاشرہ کے باہر بھی زندگی بسر کررہے ہیں لیکن اسلامی نظام، مسلمان عوام اور مذہب اسلام کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی نہیں کرتے ہیں ان کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی اسلامی عدل وانصاف کا اٹوٹ حصہ ہے۔

دوسرا سوال تاریخی اعتبار سے شہرت یافتہ بت شکنی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ انبیاء ؑ کی تاریخ اور تاریخ توحید میں بہت سے نمایاں اور غیر معمولی اہمیت کے حامل واقعات دکھائی دیتے ہیں جس میں خود پیغمبروں نے بت شکنی کا کام انجام دیا ہے اور ان بتوں کو توڑ کر نابود کردیا جو کچھ لوگوں کے ایمان وتقدیس کا سرمایا ہوا

کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سے ایک نمونہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور دوسرا نمونہ حضرت رسول اکرمؐ سے منسوب ہے جو اس وقت رونما ہوا جب فتح مکہ کے بعد پیغمبر اکرم شہر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ اس واقعہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے لوگ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام میں عقیدہ کی آزادی کی گنجائش نہیں ہے اور یہ مذہب عقیدہ کی آزادی کا مخالف ہے۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کا مقصد تو اس دور کے خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کرنا رہا ہے کیونکہ اس زمانے کا انسانی معاشرہ جہالت ولاعلمی میں مبتلا رہا ہے اور ان لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کا شرک اور شرک آلود معاشرہ سے اٹوٹ رابطہ رہا ہے۔ اس معاشرہ میں نہ کبھی حق کی آواز بلند ہوئی اور نہ ان کے کانوں تک حق کی آواز پہنچ سکی۔ اگر ان لوگوں کو اس خواب گراں سے بیدار کرنا مقصود ہے تو یہ کام فقط ایک عظیم تحریک کے ذریعہ ہی ممکن ہے لہٰذا حضرت ابراہیم اپنی جوانی کے زمانہ میں بت خانہ کے اندر تشریف لے گئے اور ان بتوں کو ہتھوڑے سے توڑ ڈالا لیکن بڑے بت کو نہ توڑا بلکہ ہتھوڑا اس بڑے بت کے گردن میں لٹکا دیا۔ انھوں نے یہ کام اس زمانے کے خوابیدہ ذہن لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے انجام دیا تھا تاکہ وہ لوگ عقل وشعور سے کام لیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے ان لوگوں سے ایسی گفتگو کی اور خداوندعالم کے اس صالح بندے نے ایسی عاقلانہ راہ وروش کا استعمال کیا کہ وہ لوگ ذہنی طور پر پوری طرح بیدار ہوگئے اور ان کے ذہنوں پر پڑی ہوئی غفلت ونادانی کی گرد صاف ہوگئی۔ قرآن مجید حضرت ابراہیمؑ کی گفتگو کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''**فَرَجَعُوا اِلٰی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ**۔''

یعنی جب ابراہیمؑ اپنی اس حرکت اور گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑ چکے اور ان لوگوں پر اپنی گفتگو کا خاطرخواہ اثر مرتب کر چکے تو وہ لوگ خودبخود حقیقت کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان لوگوں نے آپس میں اس موضوع پر بحث ومباحثہ شروع کر دیا۔ ان لوگوں کا ضمیر بیدار ہو چکا تھا لہٰذا ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم لوگ خود ہی ظالم ہیں اور ہمیں ابراہیم پر لعنت وملامت نہ کرنی چاہیئے۔

بالکل اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں جو بت شکنی انجام دی تھی اس کا مقصد مکہ والوں کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کرنا نہیں تھا۔ پیغمبرؐ بت شکنی کا کارنامہ انجام دیتے ہوئے درحقیقت طاغوتی نظام کی علامتوں کو نیست ونابود کر دینا چاہتے تھے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے کسی ملک میں انقلاب برپا کرنے والے لوگ اس دور میں رائج نظام کی تمام علامتوں اور نشانیوں کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ دور جانے کی بات نہیں ہے بلکہ خود ہمارے ملک میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے دوران ظالم شاہی حکومت کی جملہ علامتوں کو پوری طرح مٹا دینا چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے ملک کے چوراہوں، پارکوں اور عمومی مقامات پر نصب شاہی حکومت کی ہر نشانی کو پوری طرح نابود کر دیا۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے بھی ان بتوں کو جو اس وقت کی مشرکانہ حکومت

کی علامت تھے اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکے ہوئے تھے، زمین پر پٹک دیا اور وہ پوری طرح چکنا چور ہو گئے۔ پس واضح رہے کہ بت شکنی کا مقصود طاغوتی حکومت کی نشانی کا خاتمہ تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر سرزمین مکہ میں داخل ہوئے بھی مگر انھوں نے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم نہیں کیا اور انھیں طاقت کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر ہرگز مجبور بھی نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے مکہ والوں کے گھروں کی تلاشی لی کہ کس نے گھر میں چھوٹے بڑے بتوں کو چھپا رکھا ہے اور نہ کسی کے گھر سے بت نکال کر انھیں نابود کیا۔

درحقیقت پیغمبر اکرمؐ نے باطل اور جاہل حکومت یا نظام کی علامتوں اور نمونوں کو نابود کر دیا جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انھوں نے قلبی عقیدہ وایمان کو قبول کروانے والے کے لئے طاقت کا استعمال کیا تھا۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتد کے سلسلے میں غیر معمولی شدت سے کام لیا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد اسلام سے علٰحدگی اختیار کرتے ہوئے دوبارہ کفر کی طرف مائل ہو گئے ان کے ساتھ اسلام نے غیر معمولی شدت اور سختی سے پیش آنے کی بات کہی ہے جس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ایمان واعتقاد کے سلسلے میں طاقت کا استعمال کیا ہے۔

مسئلہ ارتداد کے سلسلے میں موجود قرآنی آیات سے شاید یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اسلام اپنے اس عمل کے ذریعہ اسلامی ایمان واعتقاد کے حصار کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے کے بعد اسلام، اسلامی نظام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان لانے کی حفاظت کرے۔ دوسری عبارت میں اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان کی بھرپور حفاظت کرے۔ ارتداد کے بارے میں نازل ہونے والی آیہ کریمہ میں وارد ہوا ہے: **''مَنْ كَفَرَ بَعْدَ اِيْمَانِهِ اِلَّا وَمَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌ بِالْاِيْمَانِ۔''** یہ آیت حضرت عمار یاسر کے سلسلے میں نازل ہوئی اور اس آیہ کریمہ کے آخر میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے: **''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔''**

دین کے دائرہ سے خارج ہوجانے والے مرتدین کے سلسلے میں خداوندعالم کے غیض وغضب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیوی زندگی اور عیش وعشرت ونفسانی خواہشات کو انسان کے فطری، قلبی اور روحانی مطالبات اور آخرت پر ترجیح دی۔ پس بات فقط ایک اعتقاد کی تبدیلی کی نہیں تھی بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہ لوگ مادی کشش ونفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اسلامی نظام کی حیثیت عرفی کو نقصان پہنچائیں اور اسلام سے روگردانی اختیار کرلیں۔ یہ کوئی عام اور معمولی بات نہیں ہے اور اسلام نے اس سلسلے میں اسی وجہ سے شدت سے کام لیا ہے۔

البتہ یہ بات بھی پوری طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے

کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں مذہبی ایمان واعتقاد کی آزادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے مکاروں اور فریب کاروں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں لوگوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالیں۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ مادی کشش اور انسانی ہوس پر مبنی پروگراموں کے ذریعہ کمزور دل لوگوں کو اپنی طرف راغب کرلیں۔ اگر ان فریب کاروں کو اسلامی سماج میں اس قسم کی آزادی عمل حاصل ہوجائے تو یہ لوگ سماج کے سادہ لوح لوگوں کو اپنی طرف ضرور راغب کرلیں گے اور وہ لوگ ان مکاروں کے عمل سے متاثر ہوکر راہ حق سے منحرف اور گمراہ ہوجائیں گے اور اس طرح وہ لوگوں کو بہشت سے نکال کر دوزخ میں لے جائیں گے۔ ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔'' اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ جن لوگوں کا قلب نور ایمان سے منور ہوچکا ہے وہ ان طاغوتی اولیا کے ذریعہ دوبارہ تاریکی کی طرف گھسیٹ لئے جائیں لہٰذا اسلام نے ایسے اعتقادی مسائل کی تبلیغ واشاعت کی روک تھام کا مکمل اہتمام کیا ہے جو عام لوگوں کے ایمان کو کمزور بناتے ہیں اور ان کے ایمان کی دولت پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ ایسی طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مختلف اسلامی احکام موجود ہیں۔

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتیں:

آزادی کے سلسلے میں دو اہم باتوں کی طرف متوجہ رہنا لازمی ہے۔

الف— آزادی کے مفہوم کے سلسلے میں آزاد خیالی:

اس کا مطلب ہے کہ مستقل غور وفکر سے کام لیں اور کسی کی فکری تقلید وپیروی ہرگز نہ کریں۔ اگر اس مسئلہ میں، جو ہماری بہت سی ترقیوں کی بنیاد ہے، یہ طے ہوگیا کہ ہم لوگ دوسروں کی تقلید وپیروی کرتے رہیں اور اپنی آنکھوں کو فقط اس دریچہ کی طرف کھولیں جہاں سے مغربی افکار وعقائد کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو یہ ایک بڑی غلطی ہے اور اس بڑی بھول کے تلخ وخطرناک نتائج بہرحال جھیلنے پڑیں گے۔

ب— آزادی کا ناجائز استعمال نہ کیا جائے۔

بعض افراد بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ آزادیاں حال ہی میں حاصل ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور بیگانہ ریڈیوں کے ذریعہ اس بات کی تبلیغ واشاعت کی گئی ہے۔ سردست اخباروں اور رسالوں میں لوگ ایسی باتیں لکھ رہے ہیں او رایسے ایسے اعتراضات کررہے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ گذشتہ دور میں اس طرح کی حرکت نہیں کرتے تھے گذشتہ برسوں میں ہم لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ لوگ صدر جمہوریہ اور دیگر اعلیٰ اراکین حکومت کے خلاف اپنے اعتراض آمیز خیالات کے اظہار سے قطعی نہیں ہچکچاتے۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے انقلاب کے بنیادی اصولوں پر بھی نکتہ چینی کی لیکن کسی نے ان لوگوں سے کچھ نہیں کہا۔

اس وقت بھی اگر لوگ مخالفت کرتے تھے اور اپنی راہ وروش کے ذریعہ منطقی سرحدوں کو توڑ دیتے تھے تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی تھی۔ آج بھی بالکل وہی ہورہا ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی فرق یا تبدیلی نہیں ہے۔ اگر آج بھی لوگ ظلم وفساد اور انحرافانہ عمل انجام دیتے ہیں تو ماضی کی طرح آج بھی ان کے خلاف قانونی قدم اٹھایا جاتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ کہنا چاہئے کہ آزادی حال ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ذمہ دار افراد اخباری نمائندوں کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران بار بار یہ اعلان کیا کرتے ہیں کہ آزادیوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے کہیں اصل آزادی سے محروم نہ ہونا پڑ جائے۔ یہ کیسی بات ہے؟ آزادی سے تو جتنا فائدہ حاصل کیا جائے بہتر ہے لیکن سرحد سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ لوگ خداداد حقوق سے جتنا زیادہ فائدہ حاصل کریں گے اسلامی نظام کو اپنے مقصد میں اتنی زیادہ کامیابی حاصل ہوگی لیکن اس سلسلے میں حقیقی سرحدوں کو نگاہ میں رکھنا لازمی ہے۔ واضح رہے کہ یہ سرحدیں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی حکومت اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ان کا تعین کرے۔ اگر دنیا کی دیگر حکومتیں اپنے مفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کرتی ہیں تو کریں لیکن اسلامی جمہوری نظام میں ایسا بالکل ممکن نہیں ہے۔

اسلامی جمہوری نظام کی بنیاد عدالت پر قائم ہے یعنی اگر قائد عدالت کے اصول سے الگ ہٹ جائے تو اس کی قیادت خود بخود ختم ہوجاتی ہے اور اس کی قیادت کے خاتمہ کے لئے کسی دوسرے سبب کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ ایسے نظام حکومت میں کسی مخصوص گروہ، جماعت یا حکومتی نظریہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے سرحدوں کا تعین کیا جائے۔ سرحدیں وہی اسلامی سرحدیں ہیں۔ وہی چیزیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں اور دین کی صحیح فہم کے بموجب جن کو دین کی سرحد تسلیم کیا گیا ہے وہی سرحدیں آج بھی معتبر ہیں اور انھیں کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ اگر ان سرحدوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو اس خلاف ورزی کے لئے حکومت کے ذمہ دار لوگ جوابدہ ہیں۔ ان سرحدوں کے اندر آزادی جیسی دلکش چیز موجود ہے جس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں غیر ذمہ دارانہ خیالات کو ہرگز پسند نہیں کرتا لہٰذا اس کی تکرار مناسب نہیں ہے۔

مختصر لفظوں میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کا مقولہ ومحاورہ درحقیقت ایک اسلامی محاورہ ہے لہٰذا ہم لوگوں کو اسلامی نقطہ نظر سے اس کے بارے میں غور وفکر کرنی چاہئے اور اس کے جملہ نتائج کو ایک اسلامی حرکت اور ایک شرعی فریضہ تصور کرنا چاہئے اور سماج میں جو کچھ موجود ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اور ان امکانات سے ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہئے اور صاحبان فکر کو اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ غور وفکر کرنی چاہئے۔

